تقریر بابت مسیح موعودؑ
وقت 5-7 منٹ

✿✿✿ تقریر ✿✿✿

حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو پند و نصائح

(ملفوظات جلد 7 ایڈیشن 1984ء)

(تقریر نمبر 2)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرۃ:187)

اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو یقیناً میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔

ہر طرف ہر ملک میں ہے بت پرستی کا زوال
کچھ نہیں انساں پرستی کو کوئی عز و وقار
آسماں سے ہے چلی توحیدِ خالق کی ہوا
دل ہمارے ساتھ ہیں گو منہ کریں بک بک ہزار

معزز سامعین! گزشتہ کچھ عرصہ سے "مشاہدات" کے پلیٹ فارم سے حضرت مسیح موعودؑ کے اِرشادات پر مشتمل ملفوظات سے نصائح پیش کی جارہی ہیں۔ آج سے جلد 7 سے آپؑ کی پند و نصائح پیش کرنے کا آغاز ہو رہا ہے۔ یہ جلد 7 کی تقریر نمبر 2 ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِن نصائح پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

نومبائعین کو نصائح۔ حضورؑ فرماتے ہیں

"آپ نے جو مجھ سے آج تعلق بیعت کیا ہے تو مَیں چاہتا ہوں کہ کچھ بطور نصیحت چند الفاظ تمہیں کہوں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ پر ایمان رکھے اور پھر قرآن کریم پر غور کرے کہ خدا تعالیٰ نے کیا کچھ قرآن کریم میں فرمایا ہے تو وہ شخص دیوانہ وار دنیا کو چھوڑ خدا تعالیٰ کا ہو جاوے۔ یہ بالکل سچ کہا گیا ہے کہ دنیا روزے چند عاقبت با خداوند۔ اب خدا کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص خدا کی طرف آنا چاہتا ہے اور فی الواقع اس کا دل ایسا نہیں کہ اس نے دین کو دنیا پر مقدم کیا ہو تو وہ خدا کے نزدیک قابل سزا ٹھہرتا ہے۔ ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اس کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے جب تک کافی حصہ اپنا ان کی طلب میں خرچ نہ کر دیں وہ مقاصد حاصل ہونے ناممکن ہیں۔ مثلاً اگر طبیب ایک دوائی اور اس کی ایک مقدار مقرر کر دے اور ایک بیمار وہ مقدار دوائی کی تو نہیں کھاتا بلکہ تھوڑا حصہ اس دوائی کا استعمال کرتا ہے تو اس کو کیا فائدہ اس سے ہو گا؟ ایک شخص پیاسا ہے تو ممکن نہیں کہ ایک قطرہ پانی سے اس کی پیاس دور ہو سکے۔ اسی طرح جو شخص بھوکا ہے وہ ایک لقمہ سے سیر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ یا اس کے رسول پر زبانی ایمان لے آنا یا ایک ظاہری رسم کے طور پر بیعت کر لینا بالکل بے سود ہے۔ جب تک انسان پوری طاقت سے خدا تعالیٰ کی راہ میں نہ لگ جاوے۔ نفس کی خیر خواہی اِسی میں ہے کہ انسان پورے طور پر وہ حصہ لے جو روحانی زندگی کے لیے ضروری ہے۔ صرف یہ خیال کہ مَیں مسلمان ہوں کافی نہیں۔

مَیں نصیحت کرتا ہوں کہ آپ نے جو تعلق مجھ سے پیدا کیا ہے (خدا تعالیٰ اس میں برکت ڈالے) اس کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کی فکر میں ہر وقت لگے رہیں لیکن یاد رہے کہ صرف اقرار ہی کافی نہیں جب تک عملی رنگ سے اپنے آپ کو رنگین نہ کیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (العنکبوت:3) یعنی کیا انسانوں نے گمان کر لیا ہے کہ ہم صرف آمَنَّا ہی کہہ کر چھٹکارا پالیں گے اور کیا وہ آزمائش میں نہ ڈالے جاویں گے؟۔ سو اصل مطلب یہ ہے کہ یہ آزمائش اسی لیے ہے کہ خدا تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا ایمان لانے والے نے دین کو ابھی دنیا پر مقدم کیا ہے یا نہیں۔ آج کل اس زمانہ میں جب لوگ خدا کی راہ کو اپنے

مصالح کے خلاف پاتے ہیں یا بعض جگہ حکّام سے ان کو کچھ خطرہ ہوتا ہے تو وہ خدا کی راہ سے انکار کر بیٹھتے ہیں ایسے لوگ بے ایمان ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ فی الواقع خدا ہی احکم الحاکمین ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خدا کی راہ بہت دشوار گذار ہے اور یہ بالکل سچ ہے کہ جب تک انسان خدا کی راہ میں اپنی کھال اپنے ہاتھ سے نہ اُتار لے تب تک وہ خدا کی نگاہ میں مقبول نہیں ہوتا۔ ہمارے نزدیک بھی ایک بے وفا نوکر کسی قدر و منزلت کے قابل نہیں۔ جو نوکر صدق اور وفا نہیں دکھلاتا وہ کبھی قبولیت نہیں پاتا۔ اِسی طرح جنابِ الٰہی میں وہ شخص پرلے درجہ کا بے ادب ہے جو چند روزہ دنیوی منافع پر نگاہ رکھ کر خدا کو چھوڑتا ہے۔ **بیعت** سے مُراد خدا تعالیٰ کو جان سپرد کرنا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنی جان آج خدا کے ہاتھ بیچ دی۔ یہ بالکل غلط ہے کہ خدا کی راہ میں چل کر انجام کار کوئی شخص نقصان اٹھادے۔ صادق کبھی نقصان نہیں اٹھا سکتا۔ نقصان اُسی کا ہے جو کاذب ہے۔ جو دنیا کے لیے بیعت کو اور عہد کو جو اللہ تعالیٰ سے اُس نے کیا ہے توڑ رہا ہے۔ وہ شخص جو محض دنیا کے خوف سے ایسے امور کا مرتکب ہو رہا ہے۔ وہ یاد رکھے کہ بوقت موت کوئی حاکم یا بادشاہ اسے نہ چھڑا سکے گا۔ اس نے احکمُ الحاکمین کے پاس جانا ہے جو اس سے دریافت کرے گا کہ تُو نے میرا پاس کیوں نہیں کیا؟ اس لیے ہر مومن کے لیے ضروری ہے کہ خدا جو مٰلِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے اس پر ایمان لاوے اور سچی توبہ کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ امر بھی یونہی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ خدا ہی یہ امر دل میں بٹھائے تو بیٹھ سکتا ہے۔ سو اس کے لیے دعا بکار ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدق سے قدم اٹھاتا ہے اس کو عظیم الشان طاقت اور خارق عادت قوت دی جاتی ہے۔ مومن کے دل میں ایک جذب ہوتا ہے کہ جس قوتِ جاذبہ کے ذریعہ وہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا اگر تم میں جذبِ محبت خدا کی راہ میں کافی ہو تو پھر کیوں لوگ تمہاری طرف نہ کھنچے آویں اور کیوں تم میں ایک مقناطیسی طاقت نہ ہو جاوے۔ دیکھو! قرآن میں سورۃ یوسف میں آیا ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ أَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهٖ (یوسف:25) یعنی جب زلیخا نے یوسف کا قصد کیا یوسف بھی زلیخا کا قصد کرتا اگر ہم حائل نہ ہوتے۔ اب ایک طرف تو یوسف جیسا متقی ہے اور اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ نبی زلیخا کی طرف مائل ہو ہی چکا تھا اگر ہم نہ روکتے۔ اس میں سِرّ یہ ہے کہ انسان میں ایک کشش محبت ہوتی ہے۔ زلیخا کی کشش محبت اس قدر غالب آئی تھی کہ اس کشش نے ایک متقی کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا۔ سو جائے شرم ہے کہ ایک عورت میں جذب اور کشش اس قدر ہو کہ اس کا اثر ایک مضبوط دل پر ہو جاوے اور ایک شخص جو مومن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس میں جذبِ محبتِ الٰہی اس قدر نہ ہو کہ لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آویں۔ یہ عذر قابل پذیرائی نہیں کہ زبان میں یا وعظ میں اثر نہیں۔ اصلی نقص قوتِ جاذبہ میں ہے۔ جب تک وہ کامل نہیں تب تک زبانی خالی باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 28-30)

سامعین! بیعت اعمالِ صالحہ کا تُخم ہے

فرمایا:

"بیعت کی اہمیت میں اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے بیعت کی ہے چند نصیحت آمیز کلمات کہنا چاہتا ہوں۔ یہ بیعت تُخم ریزی ہے اعمالِ صالحہ کی۔ جس طرح کوئی باغبان درخت لگاتا ہے یا کسی چیز کا بیج بوتا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص بیج بو کر یا درخت لگا کر وہیں اس کو ختم کر دے اور آئندہ آبپاشی اور حفاظت نہ کرے تو وہ تُخم بھی ضائع ہو جاوے گا۔ اسی طرح انسان کے ساتھ شیطان لگا رہتا ہے۔ پس اگر انسان نیک عمل کر کے اس کے محفوظ رکھنے کی کوشش نہ کرے تو وہ عمل ضائع جاتا ہے۔ تمام مخلوقات مثلاً مسلمان ہی سہی اپنے مذاہب کے فرائض میں پابند ہیں مگر اس میں کوئی ترقی نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نیک عمل کے بڑھانے کا خیال ان کو نہیں ہوتا اور رفتہ رفتہ وہ عمل رسم میں داخل ہو جاتا ہے۔ پس مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے تو کلمہ پڑھنے لگے۔ ہندوؤں کے گھر میں ہوتے تو رام رام کرتے۔

یاد رکھو! بیعت کے وقت توبہ کے اقرار میں ایک برکت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ساتھ اس کے دین کو دنیا پر مقدّم رکھنے کی شرط لگالے تو ترقی ہوتی ہے۔ مگر یہ مقدّم رکھنا تمہارے اختیار میں نہیں بلکہ امدادِ الٰہی کی سخت ضرورت ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:70) کہ جو لوگ کوشش کرتے ہیں ہماری راہ میں انجام کار راہنمائی پر پہنچ جاتے ہیں۔ جس طرح وہ دانہ تُخم ریزی کا بدُوں کوشش اور آبپاشی کے بے برکت رہتا بلکہ خود بھی فنا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اس اقرار کو ہر روز یاد نہ کرو گے اور دعا میں نہ مانگو گے کہ خدایا! ہماری مدد کر تو فضلِ الٰہی وارد نہیں ہوگا اور بغیر امدادِ الٰہی کے تبدیلی ناممکن ہے۔ چور، بدمعاش، زانی وغیرہ جرائم پیشہ لوگ ہر وقت ایسے نہیں رہتے بلکہ بعض وقت ان کو ضرور پشیمانی ہوتی ہے۔ یہی حال ہر بدکار کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان میں نیکی کا خیال ضرور ہے۔ پس اس خیال کے واسطے اس کو امدادِ الٰہی کی بہت ضرورت ہے۔ اسی لیے پنجوقتہ نماز میں سورہ فاتحہ کے پڑھنے کا حکم دیا۔ اس میں إِيَّاكَ نَعْبُدُ فرمایا

اور پھر اِیَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ یعنی عبادت بھی تیری ہی کرتے ہیں اور مدد بھی تجھ ہی سے ہیں۔ اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی ہر نیک کام میں قویٰ، تدابیر، جدوجہد سے کام لیں یہ اشارہ ہے نَعۡبُدُ کی طرف۔ کیونکہ جو شخص نِری دعا کرتا اور جدوجہد نہیں کرتا وہ بہرہ یاب نہیں ہوتا۔ جیسے کسان بیج بو کر اگر جدوجہد نہ کرے تو پھل کا امیدوار کیسے بن سکتا ہے اور یہ سنت اللہ ہے۔ اگر بیج بو کر صرف دعا کرتے ہیں تو ضرور محروم رہیں گے۔ مثلاً دو کسان ہیں ایک تو سخت محنت اور کلبہ رانی کرتا ہے یہ تو ضرور زیادہ کامیاب ہو گا۔ دوسرا کسان محنت نہیں کرتا یا کم کرتا ہے اس کی پیداوار ہمیشہ ناقص رہے گی جس سے وہ شاید سرکاری محصول بھی ادا نہ کر سکے اور وہ ہمیشہ مفلس رہے گا۔ اِسی طرح دینی کام بھی ہیں۔ اِنہیں میں منافق، اِنہیں میں لکھے، اِنہیں میں صالح، اِنہیں میں ابدال، قطب بنتے ہیں۔ اور خدا کے نزدیک درجہ پاتے ہیں۔ اور بعض چالیس چالیس برس سے نماز پڑھتے مگر ہنوز روز اول ہی ہے اور کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ تیس روزوں سے کوئی فائدہ محسوس نہیں کرتے۔ بہت لوگ کہتے ہیں کہ ہم بڑے متقی اور مدّت کے نماز خواں ہیں مگر ہمیں امدادِ الٰہی نہیں ملتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ رسمی اور تقلیدی عبادات کرتے ہیں ترقی کا کبھی خیال نہیں، گناہوں کی جستجو ہی نہیں، سچی توبہ کی طلب ہی نہیں۔ پس وہ پہلے قدم پر ہی رہتے ہیں۔ ایسے انسان بہائم سے کم نہیں۔ ایسی نمازیں خدا کی طرف سے وَیل لاتی ہیں۔ نماز تو وہ ہے جو اپنے ساتھ ترقی لے آوے۔ جیسے طبیب کے زیر علاج ایک بیمار ہے ایک نسخہ وہ دس روز استعمال کرتا ہے پھر اس سے اس کو روز بروز نقصان ہو رہا ہے۔ جب اتنے دنوں کے بعد فائدہ نہ ہو تو بیمار کو شک پڑ جاتا ہے کہ یہ نسخہ ضرور میرے مزاج کے موافق نہیں اور بدلنا چاہیے۔ پس رسم اور رسمی عبادت ٹھیک نہیں۔

نمازوں میں دعائیں اور درود ہیں یہ عربی زبان میں ہیں۔ مگر تم پر حرام نہیں کہ نمازوں میں اپنی زبان میں بھی دعائیں مانگا کرو۔ ورنہ ترقی نہ ہو گی۔ خدا کا حکم ہے کہ نماز وہ ہے جس میں تضرّع اور حضورِ قلب ہو ایسے ہی لوگوں کے گناہ دور ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ (ھود:115) یعنی نیکیاں بدیوں کو دور کرتی ہیں۔ یہاں **حسنات** کے معنے نماز کے ہیں اور حضور اور تضرّع اپنی زبان میں مانگنے سے حاصل ہوتا ہے۔ پس کبھی کبھی ضرور اپنی زبان میں دعا کیا کرو اور بہترین دعا فاتحہ ہے کیونکہ وہ جامع دعا ہے جب زمیندار کو زمینداری کا ڈھب آجاوے گا تو وہ زمینداری کے صراط مستقیم پر پہنچ جاوے گا اور کامیاب ہو جاوے گا۔ اسی طرح تم خدا تعالیٰ کے ملنے کی صراط مستقیم تلاش کرو اور دعا کرو کہ یا الٰہی! مَیں تیرا گنہگار بندہ ہوں اور اُفتادہ ہوں میری راہنمائی کر۔ ادنیٰ اور اعلیٰ سب حاجتیں بغیر شرم کے خدا سے مانگو کہ اصل مُعطِی وہی ہے۔ بہت نیک وہی ہے جو بہت دعا کرتا ہے کیونکہ اگر کسی بخیل کے دروازہ پر سوالی ہر روز جا کر سوال کرے گا تو آخر ایک دن اس کو بھی شرم آجاوے گی۔ پھر خدا تعالیٰ سے مانگنے والا جو بے مثل کریم ہے کیوں نہ پائے؟ پس مانگنے والا کبھی نہ کبھی ضرور پا لیتا ہے۔ نماز کا دوسرا نام دعا بھی ہے۔ جیسے فرمایا اُدۡعُوۡنِيۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَكُمۡ (المؤمن:61) پھر فرمایا وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرة:187) جب میرا بندہ میری بابت سوال کرے پس مَیں بہت ہی قریب ہوں۔ مَیں پکارنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ پکارتا ہے۔ بعض لوگ اس کی ذات پر شک کرتے ہیں۔ پس میری ہستی کا نشان یہ ہے کہ تم مجھے پکارو اور مجھ سے مانگو مَیں تمہیں پکاروں گا اور جواب دوں گا اور تمہیں یاد کروں گا۔ اگر یہ کہو کہ ہم پکارتے ہیں پر وہ جواب نہیں دیتا تو دیکھو کہ تم ایک جگہ کھڑے ہو کر ایک ایسے شخص کو جو تم سے بہت دور ہے پکارتے ہو اور تمہارے اپنے کانوں میں کچھ نقص ہے۔ وہ شخص تو تمہاری آواز سن کر تم کو جواب دے گا مگر جب وہ دور سے جواب دے گا تو تم باعث بہرہ پن کے سن نہیں سکو گے۔ پس جوں جوں تمہارے درمیانی پردے اور حجاب اور دُوری دُور ہوتی جائے گی تو تم ضرور آواز کو سنو گے۔ جب سے دنیا کی پیدائش ہوئی ہے اس بات کا ثبوت چلا آتا ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو رفتہ رفتہ بالکل یہ بات نابود ہو جاتی کہ اس کی کوئی ہستی ہے بھی۔ پس خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت کا سب سے زبردست ذریعہ یہی ہے کہ ہم اس کی آواز کو سن لیں یا دیدار یا گفتار۔ پس آج کل کا گفتار قائم مقام ہے دیدار کا۔ ہاں جب تک خدا کے اور اس سائل کے درمیان کوئی حجاب ہے اُس وقت تک ہم سن نہیں سکتے۔ جب درمیانی پردہ اُٹھ جاوے گا تو اس کی آواز سنائی دے گی۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ تیرہ سو برس سے خدا کا مکالمہ مخاطبہ بند ہو گیا ہے۔ اس کا اصل میں مطلب یہ ہے کہ اندھا سب کو ہی اندھا سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کی اپنی آنکھوں میں جو نور موجود نہیں۔ اگر اسلام میں یہ شرف بذریعہ دعاؤں اور اخلاص کے نہ ہوتا تو پھر اسلام کچھ چیز بھی نہ ہوتا۔ اور یہ بھی اور مذاہب کی طرح مردہ مذہب ہو جاتا۔

پس تم ان مُردوں کی طرف خیال مت کرو۔ جو خود بھی مُردہ اور اسلام کو بھی مُردہ بناتے ہیں۔ یہ تو در حقیقت ایسا مذہب ہے کہ جس میں انسان ترقی کرتا ہوا فرشتوں سے مصافحہ جا کرتا ہے۔ اور اگر یہ بات نہ تھی تو صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ (الفاتحة:7) کیوں سکھایا؟ اس میں صرف جسمانی اموال کی طلب نہیں کی گئی بلکہ روحانی انعام کی درخواست ہے۔ پس اگر تم نے ہمیشہ اندھا ہی رہنا ہے تو پھر تم مانگتے کیا ہو؟ یہ دعا فاتحہ ایسی جامع اور عجیب دعا ہے کہ پہلے کبھی کسی نبی نے سکھلائی ہی نہیں۔ پس اگر یہ نِرے الفاظ ہی الفاظ ہیں اور اِن کو خدا تعالیٰ نے منظور نہیں کرنا تو ایسے الفاظ خدا تعالیٰ نے ہمیں کیوں سکھلائے؟ اگر تمہیں وہ مقام ملنا ہی نہیں تو ہم پانچ وقت کیوں

ضائع کرتے ہیں؟ خدا تعالیٰ کی ذات میں بُخل نہیں اور نہ انبیاء اس لیے آتے ہیں کہ ان کی پوجا کی جاوے بلکہ اس لیے کہ لوگوں کو تعلیم دیں کہ ہماری راہ اختیار کرنے والے ہمارے ظلّ کے نیچے آجاویں گے۔ جیسے فرمایا اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ (آل عمران:32) یعنی میری پیروی میں تم خدا کے محبوب بن جاؤ گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر محبوب ہونے کی بدولت یہ سب اکرام ہوئے مگر جب کوئی اور شخص محبوب بنے گا تو اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا؟ اگر اسلام ایسا مذہب ہے تو سخت بیزاری ہے ایسے اسلام سے۔ مگر ہرگز اسلام ایسا مذہب نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ مائدہ لائے ہیں کہ جو چاہے اس کو حاصل کرے۔ وہ نہ تو دنیا کی دولت لائے اور نہ مہاجن بن کر آئے تھے۔ وہ تو خدا تعالیٰ کی دولت لائے تھے اور خود اس کے قاسم تھے۔ پس اگر وہ مال دینا نہیں تھا تو کیا وہ گٹھڑی واپس لے گئے؟ پرسچ ہے جس اندھے کے پاس روشنی موجود نہیں وہ کیسے دعویٰ کر سکتا ہے کہ مَیں روشنی رکھتا ہوں اور تقسیم کر سکتا ہوں۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنۡ کَانَ فِیۡ ہٰذِہٖۤ اَعۡمٰی فَہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ اَعۡمٰی وَ اَضَلُّ سَبِیۡلًا (بنی اسرائیل:73) انبیاء تو علیٰ وجہ البصیرت ہوتے ہیں۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ بصیرت کسی کو نہیں ملے گی تو گویا یہ خود اس دنیا سے اندھے ہی جاویں گے۔

اگر ان کا ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سچا ہوتا تو یہ یقین رکھتے کہ وہ آسمانی مال تقسیم کرنے آئے تھے؟ اور ان کا عقیدہ یہ ہوتا کہ یہ امت تمام امتوں سے فوقیت حاصل کرے گی؟ حالانکہ مانتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی ماں کو وحی ہوتی تھی۔ اب بتاؤ کہ ان کے مردوں کو بھی کبھی ایسی وحی ہوئی ہے؟ لاہور میں ایک مولوی سے میری بحث ہوئی محدّث کے لفظ پر کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ محدّث وہ ہے جو خدا سے مکالمہ کر سکے اور یہ بات حضرت عمرؓ کے متعلق تھی تو اس مولوی نے جواب دیا کہ چونکہ اسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مکالمہ الٰہی نصیب نہیں۔ اس لیے حضرت عمرؓ کو یہ عہدہ نصیب نہیں ہوا۔ گویا اس امت میں تو دجال ہی آتے رہیں گے۔

مسیح کے متعلق جس زمانہ کی اطلاع احادیث وغیرہ میں دی گئی ہے وہ یہی زمانہ ہے۔ سورہ نور اور بخاری میں مِنۡکُمۡ کا لفظ صاف ہے۔ آثار تمام نمودار ہو گئے ہیں۔ کسوف وخسوف رمضان میں ہو گیا۔ طاعون آگئی۔ یہ کیسے کھلے نشان تھے لیکن لوگ ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ نہ تو یہ ہارتے ہیں اور نہ خدا ہارنے والا ہے۔ آخر تم جانتے ہو کہ نتیجہ کیا ہوگا یہی کہ وہ پاک خدا جیتے گا۔ باوجود اس قدر کھلے نشانات کے جواب یہ دیتے ہیں کہ تیس دجالوں میں سے یہ بھی ایک دجال ہے۔ او کم بختو! تمہارے حصہ میں دجال ہی دجال رہ گئے ہیں؟ بیرونی اور اندرونی بلائیں تم پر آئیں اور خدا کی طرف سے بھی آیا تو دجال ہی آیا۔ اول تو تم خود بخود مرتے جاتے تھے۔ اب ایسی حالت میں خدا نے تم سے یہ سلوک کیا کہ مرتے کو مارنے کی تجویز ٹھہرائی۔ کیا خدا کو تم سے کوئی ایسی ہی سخت عداوت تھی کہ سختی پر سختی کر رہا ہے؟ یہ انسانی غلطیاں ہیں تم لوگ ان سے ہوشیار رہو۔ خدا بڑا کریم ورحیم ہے۔ جب کسی کے کپڑے پر ہفتہ گزر جاتا ہے تو اس کو فکر لگ جاتی ہے کہ اس کو صاف کرایا جاوے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دنیا پر سو کی جگہ ایک سو بیس برس گزر گئے پر خدا نے تجدیدِ دین کی کوئی تجویز نہ کی اور بجائے تجدید کے دجال بھیج کر اس کی تخریب کی۔ اس وقت 30 لاکھ مسلمان عیسائی ہو چکا ہے۔ یہ وہ قوم تھی اگر اس میں سے ایک شخص بھی عیسائی ہوتا تھا تو حشر برپا ہو جاتا تھا۔ دوسری طرف ایک اور خبیث قوم نے سر اٹھایا ہے وہ مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر آریہ بنا رہی ہے۔ مگر ان ہمارے مسلمانوں کو یہی خیال آتا ہے کہ ابھی ہمارے اندر دجال ہی پیدا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ یہ دھوکا کیا کہ دجال کو صدی کے سر پر بھیجا تاکہ انکی رہی سہی امید بھی باقی نہ رہے۔ معلوم ہوا کہ تمہارے اندر بڑے بڑے خبث اور گناہ پوشیدہ ہیں جس کی تمہیں یہ سزا مل رہی ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو فرمایا ہے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر:10) ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی محافظت کریں گے۔ یعنی جب اس کے معانی میں غلطیاں وارد ہوں گی تو اصلاح کے لیے ہمارے مامور آیا کریں گے۔ پس تم میرے اوپر خیال مت کرو بلکہ صدی کے ابتدا اور بیرونی حملوں اور اندرونی اعمال کو دیکھ کر تم خود غور اور فکر کرو کہ آیا دجال کی ضرورت ہے یا مہدی اور مسیح کی؟ تعصّب بُری بلا ہوتی ہے۔ تعصّب والوں نے تو کسی رسول کو بھی نہیں مانا اور ان کو دُکاندار قرار دیا ہے حالانکہ وہ خدا کی طرف بلاتے رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم ضرور ہمیشہ ساتھ رہی ہے اور رہے گی۔ قرآنِ کریم کا ابتدا بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے ہے۔ رحمن بے مانگے دینے والا اور رحیم محنت کو نہ ضائع کرنے والا۔ پس اس وقت رحمانیت اور رحیمیت کہاں گئی؟ سوچو تو سہی کہ یہ اس کے مناسب حال ہے یا کیا؟۔ اصل میں جب انسان تعصّب پر آتا ہے تو آنکھ دھندلی ہو جاتی ہے اور جب اس میں ترقی کرتا ہے تو وہ نور چھین لیا جاتا ہے۔ پس ہدایت پانے کا طریق اشتہار بازی نہیں۔ ان لوگوں سے پوچھو کہ تم ایک دفعہ بھی میرے پاس آئے ہو اور اپنے اعتراضات کا جواب پوچھا ہے یا کم سے کم میری تصانیف کو ہی دیکھا ہے؟ تو جواب دیں گے کہ میاں! ہم کو ان باتوں کی فرصت نہیں۔ پھر تم نے جھٹ دجّال کا فتویٰ کیوں لگا دیا؟ پھر ہم نے دین میں کونسی تحریف کی ہے۔ تم منہ سے نماز اور روزہ کا نام

لیتے ہو اور مَیں کہتا ہوں کہ ان کی روحانیت لو۔ صرف مَیں ہی نہیں کہتا بلکہ وہ خدا کہتا ہے جس نے مجھے مامور کیا ہے اور یہ اس لیے کہ تمہارے پوست میں کیفیت داخل ہو جاوے۔

ہاں تمہارے ہمارے درمیان مسیح کا جھگڑا ضرور ہے لیکن خدا کی کلام سے زیادہ سچا گواہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہمیں دوسرے کے قول سے کیا غرض ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول حق اور سچ ہیں مگر جو قرآن کریم کے خلاف نہ ہوں۔ پس ہمیں ایمان محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ایسے قصّوں پر جو احادیث میں درج ہیں قرآن کریم کو مقدّم رکھیں۔ پس ہم تو قرآن کریم کو ترجیح دیں گے اور جو احادیث قومی اور صحیح ہیں وہ ضرور قرآن کے ساتھ ہیں اور ہمارے دعویٰ میں ہماری مؤید ہیں۔ پس ہمارا اور ان لوگوں کا اور کوئی اختلاف نہیں۔ بجُز اس کے کہ یہ پوست پر قناعت کرتے ہیں اور ہم مغز کو چاہتے ہیں۔ مسیح کی موت کا قرآن نے خود فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ میں فیصلہ کر دیا ہے۔ اگر ہم قبول کر لیں کہ مسیح ناصری آج تک زندہ ہے تو ہمیں یہ بھی قبول کرنا پڑے گا کہ عیسائی بھی آج تک راہ راست پر ہیں۔ اور اس کی قرآن کریم خود تردید کرتا ہے تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ (مریم:91)۔ مجھے میرے خدا نے ہزارہا وحیوں میں مامور کیا ہے اور وہ وہی بات ہے جو تیرہ سو برس پہلے سے لکھی ہوئی تھی۔ ہمارا اور ان کا کوئی جھگڑا نہیں اگر شرم و حیا اور ایمان ہو۔ یہ بھی نہ سہی۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کُل لوگ مسلمان ہو گئے تھے؟ نہیں مگر وہی کہ جن کے حق میں سعادت تھی۔ پس ہمارا کام تو سمجھانا ہے۔ پس جو شخص مسیح کو زندہ مانتا ہے وہ جھوٹا ہے اور خدا کا منکر ہے اور جس کو خدا نے مامور کیا ہے اس کو تو تازہ علم اس کی وفات کا دیا ہے۔ پھر اگر انہوں نے مسیح کو ماننا نہیں تو وہ حَکَم کس بات کا ہو گا اور ہر ایک مذہب والا اس کا فیصلہ کس طرح مانے گا؟ حَکَم کا لفظ تو صاف دلالت کر رہا ہے کہ ضرور ان لوگوں میں اختلاف اور اغلاط ہوں گے جن کا وہ آ کر فیصلہ کرے گا۔ پس ہم تو تم سے سچا اتباع نبی کریم اور ترک اغلاط طلب کرتے ہیں اور بس۔

پس ہمارے لوگ ہمارے مخالفین سے سختی سے پیش نہ آیا کریں۔ اِن کا درشتی کا نرمی سے جواب دیں اور ملاطفت سے سلوک کریں۔ چونکہ یہ خیالات مدّتِ مدید سے ان کے دلوں میں ہیں رفتہ رفتہ ہی دور ہوں گے اس لیے نرمی سے کام لیں۔ اگر وہ سخت مخالفت کریں تو اعراض کریں مگر اس بات کے لیے اپنے اندر قوتِ جاذبہ پیدا کرو اور قوتِ جاذبہ اس وقت پیدا ہو گی جب تم صادق مومن بنو گے اور اگر تم صادق نہیں تو تمہاری نصیحت ایسی ہے جیسے پرنالہ کا پانی مُوجبِ فساد ہوتا ہے۔ پس صادق کے واسطے ورزش کی اشد ضرورت ہے۔ جیسے ایک پہلوان کے سامنے تمہاری کیا ہستی ہے کہ مقابلہ کر سکو۔ اگرچہ وہ بھی تمہارے جیسا آدمی تھا۔ جسمانی نشو و نما میں اس نے ترقی اور ورزش کر کے یہ طاقت حاصل کی۔ پس تم روحانی قویٰ میں ورزش کر کے روحانی پہلوان یعنی صادق مومن بنو۔ جو شخص اپنا نشو و نما نہیں کرتا وہ تو اپنے کُنبہ کو بھی درست نہیں کر سکتا۔ پس قوتِ روحانی پیدا کرو۔ دیکھو! نبی رسول سب ایک ایک ہو کر ہی آئے ہیں مگر وہ صادق اور جاذب تھے۔ مال کی غریبی اور کمزوری جدا چیز ہے۔ روحانی قوت ہونی چاہیے۔ ہاں کشش میں بھی وہی سعادت مند ہوتے ہیں جن کو کچھ مناسبت ہوتی ہے۔ مثلاً انجن اگر سرد ہے تو فائدہ نہیں دے سکتا ہے۔ اگر خوب گرم ہے تو سو گاڑی بھی لے جاوے گا۔ پس گرم اور پُر تاثیر مومن بنو۔ اس ہماری جماعت کے واسطے خدا کا وعدہ ہے کہ دنیا میں پھیلے گی۔ پھر اگر طاقت والے اور اس کے پھیلانے والے اور لوگ ہوں گے تو تم نے کیا حاصل کیا؟

اب سوال یہ ہو گا کہ طاقت کس طرح پیدا ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صادق اور پکّا بندہ بن جاوے تا کہ کسی زلزلہ سے برگشتہ اور منہ پھیرنے والا نہ ہو۔ صحابہ کرام سارے ہی باخدا اور عاقل تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے بڑھ کر ایسے وفادار تھے کہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اسی لیے آپ کو سانپوں اور درندوں اور خاردار کانٹوں والا جنگل، اُس کے درندے، حیوانات انسانی شکل میں دکھلائے گئے۔ پھر ملک بھی ایسا اس کے سپرد کیا کہ جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی شریر النفس نہ تھا۔ پھر آئے ایسے وقت پر کہ تمام مُردہ اور فساد کی جڑھ تھے جیسے فرمایا ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم:42) اور گئے ایسے وقت پر کہ فرمایا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدۃ:4)۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (النصر:2)۔ اِس کو معجزہ کہتے ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنی محبتِ الٰہی اور قوتِ جاذبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تھی۔ پس خدا کے خاص بندوں اور غیروں میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ قوتِ ایمانی اور استقامت ایسی ہو کہ کسی رکاوٹ شدید سے باز نہ رہے۔ اِس صفت سے جس کو جتنا حصہ ملا ہے اتنا ہی وہ برکت کا موجب ہو گا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی تبدیلی کے واسطے تین باتیں یاد رکھو۔

(1) نفسِ امّارہ کے مقابل پر تدابیر اور جد و جہد سے کام لو۔ (2) دعاؤں سے کام لو۔ (3) سُست اور کاہل نہ بنو اور تھکو نہیں۔

ہماری جماعت بھی اگر پیچ کا بیچ ہی رہے گی تو کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ جو ردّی رہتے ہیں خدا تعالیٰ ان کو بڑھاتا نہیں۔ پس تقویٰ، عبادت اور ایمانی حالت میں ترقی کرو۔ اگر کوئی شخص مجھے دجّال اور کافر وغیرہ ناموں سے پکارتا ہے تو تم اس بات کی کچھ بھی پرواہ نہ کرو۔ کیونکہ جب خدا میرے ساتھ ہے تو مجھے ان کے ایسے بدکلمات اور گالیوں کا کیا

ڈر ہے؟ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کافر کہا تھا۔ ایک زمانہ ایسا آگیا کہ پکار اُٹھا کہ مَیں اس خدا پر ایمان لایا جس پر موسیٰ اور اس کے متّبع ایمان لائے ہیں۔ ایسے لوگ یاد رکھو کہ مخنّث اور نامرد ہوتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہوتے ہیں کہ جیسے ایک بچہ بعض اوقات اپنی ماں اور باپ کو بھی نا سمجھی کی وجہ سے گالی دے دیتا ہے۔ مگر اس کے اس فعل کو کوئی بُرا نہیں سمجھتا۔

پس یاد رکھو کہ نِری بیعت اور ہاتھ پر ہاتھ رکھنا کچھ بھی سود مند نہیں۔ جب کوئی شخص شدّتِ پیاس سے مرنے کے قریب ہو جاوے یا شدّتِ بھوک سے مرنے تک پہنچ جاوے تو کیا اُس وقت ایک قطرہ پانی یا ایک دانہ کھانے کا اُس کو موت سے بچالے گا؟ ہر گز نہیں!۔ جس طرح اس بدن کو بچانے کے واسطے کافی خوراک اور کافی پانی بہم پہنچانے کے سوائے مُفرّ نہیں۔ اسی طرح پورے جہنم سے تھوڑی سی نیکی سے تم بھی بچ نہیں سکتے۔ پس اس دھوکہ میں نہ رہو کہ ہم نے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا ہے اب ہمیں کیا غم ہے۔ ہدایت بھی ایک موت ہے جو شخص یہ موت اپنے اوپر وارد کرتا ہے اس کو پھر نئی زندگی دی جاتی ہے اور یہی اصفیاء کا اعتقاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی ابتدائی حالت کے واسطے فرمایا۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَیۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ (المائدۃ: 106) یعنی پہلے اپنے آپ کو درست کرو۔ اپنے امراض کو دور کرو۔ دوسروں کا فکر مت کرو۔ ہاں رات کو اپنے آپ کو درست کرو اور دن کو دوسروں کو بھی کچھ ہدایت کر دیا کرو۔ خدا تعالیٰ تمہیں بخشے اور تمہارے گناہوں سے تمہیں مخلصی دے اور تمہاری کمزوریوں کو تم سے دور کرے اور اعمالِ صالحہ اور نیکی میں ترقی کرنے کی توفیق دیوے۔ آمین"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 224۔ 234)

سامعین! بیعت کے بعد نصائح کرتے ہوئے ایک اور موقع پر حضورؑ نے فرمایا۔

"اس بیعت کی اصل غرض یہ ہے کہ خدا کی محبت میں ذوق وشوق پیدا ہو اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو کر اس کی جگہ نیکیاں پیدا ہوں۔ جو شخص اس غرض کو ملحوظ نہیں رکھتا اور بیعت کرنے کے بعد اپنے اندر کوئی تبدیلی کرنے کے لیے مجاہدہ اور کوشش نہیں کرتا جو کوشش کا حق ہے اور پھر اس قدر دعا نہیں کرتا جو دعا کرنے کا حق ہے تو وہ اس اقرار کی جو خدا تعالیٰ کے حضور کیا جاتا ہے سخت بے حرمتی کرتا ہے اور وہ سب سے زیادہ گنہ گار اور قابل سزا ٹھہرتا ہے۔ پس یہ ہرگز نہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بیعت کا اقرار ہی ہمارے لیے کافی ہے اور ہمیں کوئی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ مثل مشہور ہے جوئندہ یابندہ۔ جو شخص دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اس کے لیے کھولا جاتا ہے اور قرآن شریف میں بھی فرمایا گیا ہے وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا (العنکبوت:70) یعنی جو لوگ ہماری طرف آتے ہیں اور ہمارے لیے مجاہدہ کرتے ہیں۔ ہم ان کے واسطے اپنی راہ کھول دیتے ہیں اور صراطِ مستقیم پر چلا دیتے ہیں۔ لیکن جو شخص کوشش ہی نہیں کرتا ہے وہ کس طرح اس راہ کو پا سکتا ہے۔ خدا یابی اور حقیقی کامیابی اور نجات کا یہی گُر اور اصول ہے۔ انسان کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرنے سے تھکے نہیں نہ درماندہ ہو اور نہ اس راہ میں کوئی کمزوری ظاہر کرے۔

تم لوگوں نے اس وقت خدا تعالیٰ کے حضور میرے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ توبہ تمہارے لیے باعث برکت ہونے کی بجائے لعنت کا موجب ہو جاوے۔ کیونکہ اگر تم لوگ مجھے شناخت کر کے بھی اور خدا تعالیٰ سے اقرار کر کے بھی اس عہد کو توڑتے ہو تو پھر تم کو دوہرا عذاب ہے کیونکہ عمداً تم نے معاہدہ کو توڑا ہے۔ دنیا میں جب کوئی شخص کسی سے عہد کر کے اسے توڑتا ہے تو اس کو کس قدر ذلیل اور شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ وہ سب کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ پھر جو شخص خدا تعالیٰ سے عہد اور اقرار کر کے توڑے وہ کس قدر عذاب اور لعنت کا مستحق ہو گا۔ پس جہاں تک تم سے ہو سکتا ہے اس اقرار اور عہد کی رعایت کرو اور ہر قسم کے گناہوں سے بچتے رہو۔ پھر اس اقرار پر قائم اور مضبوط رہنے کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہو۔ وہ یقیناً تمہیں تسلّی اور اطمینان دے گا اور تمہیں ثابت قدم کرے گا کیونکہ جو شخص سچّے دل سے خدا تعالیٰ سے مانگتا ہے اُسے دیا جاتا ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ تم میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جن کو میرے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے واسطے قسم قسم کے ابتلا اور مشکلات پیش آئیں گے۔ لیکن مَیں کیا کروں یہ ابتلا نئے نہیں ہیں۔ جب خدا تعالیٰ کسی کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور کوئی اس کی طرف جاتا ہے تو اس کے واسطے ضرور ہے کہ ابتلاؤں میں سے ہو کر گزرے۔ دنیا اور اس کے رشتے عارضی اور فانی ہیں مگر خدا تعالیٰ کے ساتھ تو ہمیشہ کے لیے معاملہ پڑتا ہے پھر اس سے آدمی کیوں بگاڑے؟ دیکھو! صحابہؓ کو کچھ تھوڑے ابتلا پیش آئے تھے۔ ان کو اپنا وطن، مال و دولت، اپنے عزیز رشتہ دار سب چھوڑنے پڑے۔ لیکن انہوں نے خدا کی راہ میں ان چیزوں کو مری ہوئی مکھّی کے برابر بھی نہیں سمجھا۔ خدا تعالیٰ کو اپنے لیے کافی سمجھا پر خدا تعالیٰ نے بھی ان کی کس قدر، قدر کی۔ اس سے وہ خسارہ میں نہیں رہے بلکہ دنیا و آخرت میں انہوں نے وہ فائدہ پایا جو اس کے بغیر انہیں مل سکتا ہی نہیں تھا۔ اس لیے اگر کوئی ابتلا آوے تو گھبرانا نہیں چاہیے۔ ابتلا مومن کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ اس وقت روح میں عجز و نیاز اور دل میں ایک سوزش اور جلن پیدا ہوتی ہے جس سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کے آستانہ پر پانی کی طرح گداز ہو کر بہتا ہے۔ ایمان کامل کا مزا ہمّ و غم ہی کے دنوں میں آتا ہے۔ اس وقت اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر کرو۔ خدا تعالیٰ سے اب تمہارا نیا معاملہ

شروع ہوا ہے کیونکہ وہ پچھلے گناہ سچّی توبہ کے بعد بخش دیتا ہے اور توبہ سے یہ مراد نہیں کہ انسان زبان سے کہہ دے اور اعمال میں اس کا اثر ظاہر نہ ہو۔ نہیں۔ توبہ یہی ہے کہ بدیوں اور خدا کی نافرمانیوں کو قطعاً چھوڑ دے اور نیکیاں کرے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اپنی زندگی بسر کرے۔

اب بے فکر رہنے کے دن نہیں ہیں۔ خدا تعالیٰ کا تازیانہ ہوشیار کر رہا ہے۔ تم کو خوب معلوم ہے کہ طاعون نے اس ملک کو کیسا تباہ کیا ہے اور کس طرح پر فنا کا تصرّف جاری ہے اور ثابت ہو رہا ہے کہ دنیا فانی ہے۔ اب بھی اگر انسان اپنے اعمال کو درست نہ کرے تو یہ اس کی کیسی غفلت اور بدنصیبی ہے۔ مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم ہرگز ہرگز بے فکر نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کے عذاب کا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی وقت آجاوے اور وہ غافلوں کو ہلاک کر دیتا ہے جو دنیا میں مست ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر بے باک اور شوخی اختیار کرتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ طاعون کے دن آتے ہیں اور معلوم نہیں کہ کون اس کے حملہ سے بچے۔ ہاں! اس قدر مَیں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے فضل و کرم سے محفوظ رکھتا ہے جو اپنے اندر سچی تبدیلی کر لیتے ہیں اور کسی قسم کا کھوٹ اور کجی دل میں باقی نہیں رکھتے۔ بسا اوقات کہ جن شہروں میں طاعون پڑی ہے ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی جب تک انہیں تباہ نہیں کر لیتی اور یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ اس کے دورے بڑے بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ مجھ پر خدا تعالیٰ نے ایسا ہی ظاہر کیا ہے اور خدا تعالیٰ کی کتابوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ شامت اعمال سے آتی ہے۔ مَیں اس وقت دیکھتا ہوں کہ دنیا میں غفلت حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ شوخی اور بے باکی خدا تعالیٰ کی کتابوں اور باتوں سے بہت ہو گئی ہے۔ دنیا ہی دنیا لوگوں کا مقصود اور معبود ٹھہر گئی ہے۔ اس لیے جیسا کہ پہلے سے کہا گیا تھا اور نبیوں کی معرفت وعدہ دیا گیا تھا میرے اس زمانہ میں یہ طاعون لوگوں کو متنبّہ کرنے کے لیے آئی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ اس کو اب تک بھی ایک معمولی بیماری سمجھتے ہیں۔ مگر مَیں تمہیں کہتا ہوں کہ تم ان لوگوں کے ساتھ مت ملو بلکہ تم اپنے اعمال اور افعال سے ثابت کر کے دکھا دو کہ واقعی تم نے سچی تبدیلی کر لی ہے۔ تمہاری مجلسوں میں وہی ہنسی اور ٹھٹھا نہ ہو جو دوسرے لوگوں کی مجلسوں اور محفلوں میں پایا جاتا ہے۔ یقیناً سمجھو کہ زمین و آسمان کا خالق ایک خدا ہے۔ وہی خدا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں زندگی اور موت ہے۔ کوئی شخص دنیا میں کسی قسم کی راحت اور کوئی نعمت حاصل نہیں کر سکتا مگر اسی کے فضل و کرم سے۔ ایک پتّہ بھی اس کے فضل کے بغیر ہرا نہیں رہ سکتا۔ اس لیے ہر وقت اسی سے سچا تعلق پیدا کرے اور اس کی رضا جوئی کی راہوں پر مضبوط قدم رکھے۔ اگر وہ اس بات کی پابندی کرے گا تو یقیناً اسے کوئی غم نہیں ہے۔ ہر قسم کی راحت، صحت، عمر و دولت یہ سب اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہے۔ جب انسان کا وجود ایسا نافع اور سود مند ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا۔ جیسے باغ میں کوئی درخت عمدہ پھل دینے والا ہو تو اُسے باغبان کاٹ نہیں ڈالتا بلکہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح نافع اور مفید وجود کو اللہ تعالیٰ بھی محفوظ رکھتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ (الرعد:18) جو لوگ دنیا کے لیے نفع رساں لوگ بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمریں بڑھا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں جو سچے ہیں اور کوئی ان کو جھٹلا نہیں سکتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے اور فرمانبردار بندے ایسی بلاؤں سے محفوظ رہتے ہیں۔ پس اس بات کو کبھی بھولنا نہیں چاہیے کہ نِری بیعت اور اقرار سے کچھ نہیں بنتا، بلکہ انسان زیادہ ذمہ دار اور جوابدہ ہو جاتا ہے۔ اصل فائدہ کے لیے ضرورت ہے حقیقی ایمان اور پھر اس ایمان کے موافق اعمالِ صالحہ کی۔ جب انسان یہ خوبی اپنے اندر پیدا کرتا ہے تو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ متقی حقیقی مومن اور اس کے غیر میں ایک امتیاز رکھ دیا جاتا ہے۔ اُسے ممتاز کیا جاتا ہے اور اس امتیاز کا نام قرآن شریف کی اصطلاح میں فرقان ہے۔ آخرت میں بھی مومن اسی فرقان سے شناخت کئے جائیں گے اور کافر، فاسق فاجر کے منہ سیاہ ہو جائیں گے۔ اس دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ مومن ہمیشہ ممتاز رہتا ہے۔ اس کے اندر ایک سکینت اور اطمینان بخش روح ہوتی ہے۔ اگرچہ مومن کو دکھ بھی اٹھانے پڑتے ہیں اور قسم قسم کی مصائب اور شدائد کے اندر سے گزرنا پڑتا ہے خواہ لوگ اس کے کتنے ہی بڑے نام رکھیں اور خواہ اس کے تباہ اور برباد کرنے کے لیے کچھ بھی ارادے کریں۔ لیکن آخر وہ بچا لیا جاتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اسے عزیز رکھتا ہے۔ اس لیے دنیا اس کو ہلاک نہیں کر سکتی۔ مومن اور اس کے غیر میں امتیاز ضرور ہوتا ہے اور یہ میزان خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ خدا تعالیٰ کی آنکھیں خوب دیکھتی ہیں کہ کون بد اور شریر ہے۔ خدا کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔ پس تم دنیا کی پروانہ کرو بلکہ اپنے اندر کو صاف کرو۔ یہ دھوکا مت کھاؤ کہ ظاہری رسم ہی کافی ہے۔ نہیں۔ امن اس وقت آتا ہے جب انسان سچے طور سے خدا تعالیٰ کے حرم میں داخل ہو۔

پس اب بڑی تبدیلی کا وقت ہے اور خدا تعالیٰ سے سچی صلح کے دن ہیں۔ بعض لوگ اپنی غلط فہمی اور شرارت سے اس سلسلہ کو بدنام کرنے کے لیے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سلسلہ میں سے بھی بعض آدمی طاعون سے ہلاک ہوئے ہیں۔ مَیں نے بارہا اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ یہ سلسلہ منہاجِ نبوت پر واقع ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کفار پر جو عذاب آیا تھا وہ تلوار کا عذاب تھا۔ حالانکہ وہ ان کے لیے مخصوص تھا۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ صحابہؓ میں سے بعض شہید نہیں ہو گئے؟ اسی طرح پر یہ سچ ہے کہ اس سلسلہ میں سے بھی بعض لوگ طاعون سے شہید ہوئے ہیں مگر یہ بھی تو دیکھو کہ طاعون کے ذریعہ سے ہمارا نقصان ہوا ہے یا

دوسروں کا؟ ہماری جماعت کی تو ترقی ہوتی گئی ہے اور ہو رہی ہے اور مَیں پھر کہتا ہوں کہ جو لوگ نافع الناس ہیں اور ایمان، صدق و وفا میں کامل ہیں وہ یقیناً بچا لیے جاویں گے۔ پس تم اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کرو۔ اپنے رشتہ داروں اور بیوی بچوں کو بھی سمجھاؤ اور یہی تلقین کرو اور دوستوں کے ساتھ یہی شرط دوستی رکھو کہ وہ بدی سے بچیں۔ پھر مَیں یہ بھی کہتا ہوں کہ سختی نہ کرو اور نرمی سے پیش آؤ۔ جنگ کرنا اس سلسلہ کے خلاف ہے۔ نرمی سے کام لو اور اس سلسلہ کی سچائی کو اپنی پاک باطنی اور نیک چلنی سے ثابت کرو۔ یہ میری نصیحت ہے اس کو یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں استقامت بخشے۔ آمین"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 235۔ 240)

اللہ تعالیٰ ہمیں اِن نصائح پر عمل کرنے کی توفیق دیتا رہے۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز بقعۃُ النور عمران۔ جرمنی)

✡✡✡✡